© rasailojaraid.com

قوانینِ شریعت کی تدوین اور تنفیذ

نعیم صدیقی

نفاذِ شریعت کے خلاف جو نزاعات سامنے آتی رہی ہیں، ان میں خاصی اہمیت اس مسئلے کو حاصل ہے کہ قوانینِ شریعت کی تدوین ہونی چاہیے۔ آج کی زبان میں ضابطہ بندی کے بغیر نفاذِ شریعت ممکن العمل نہیں ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ چیز کئی حامیانِ شریعت کو بھی موجودہ تحریک کی مخالفت پر مجبور کرتی ہے۔[1]

میری پہلی گذارش تو یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا قانون بہت بڑی حد تک تدوین یافتہ ہے اور جو کمی ہے اُسے بآسانی پورا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن معترضین کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بہت سے معاشرے غیر تدوین یافتہ قانون پر کارفرما رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔

برطانوی اور دوسرے تجربات یورپ میں تدوینِ قانون کی جو لہر چلی تھی، اس سے دو ملک غیر متاثر رہے۔ ایک امریکہ، دوسرے برطانیہ۔ ہم خاص طور پر اپنے سابق سامراجی آقا برطانیہ کو لیتے ہیں۔ اہلِ برطانیہ نے

[1] میرے لیے یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ شریعت جس سے ہمارا تعلق ایمانی ہے، اس کے بارے میں ہمارے کاموں میں کسی کمی یا کوتاہی کا رہ جانا، مسلمانوں کو شریعت ہی کا مخالف کر دے۔ نہایت افسوس ہے کہ کچھ لوگوں نے اخبارات میں نت نئی سجنا بحثیں چھیڑ کر اور بعض ناموزوں کلمات و افکار کو پھیلا کر بڑی خراب فضا پیدا کر دی ہے۔ ایمانی طرزِ فکر کے بجائے نفسانی طرزِ فکر کام کرنے لگا ہے۔ اور سیکولرازم کے لیے راستے ہموار ہو رہے ہیں۔ لادینیت کو تقویت پہنچانے والے خادمانِ شریعت مسلمانوں کی ایک ایسی نئی قسم ہیں۔ جن کے لیے ہمارے پاس کوئی نام نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے یہاں بنیادی قانون سرے سے مدوّن اور تشکیل یافتہ نہ تھا اور اب بھی نہیں ہے۔ نظامِ انصاف کی بنیاد بھی انھوں نے غیر ملفوظ روایتی یا عوامی قانون (CONVENTIONAL LAW) پر رکھی۔ اور مدوّن قانون (STATUTE LAW) کے مقابلے میں جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے: (UNWRITTEN-UNENACTED CASE LAW) یعنی غیر تحریری اور پارلیمنٹ کا پاس نہ کیا ہوا عدالتی نظائر پر مبنی قانون۔ اس غیر ملفوظ اور غیر مکتوب قانون کو برتنے کی پوری آزادی بڑی اور چھوٹی تمام عدالتوں کو حاصل رہی۔ یہ ملحوظ رہے کہ جب کوئی بالاتر عدالت ایک فیصلہ کرے تو ماتحت عدالتیں اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتیں۔ اس طرح اعلیٰ سطح کے ججوں کے فیصلے محض نظائر ہی بن کر نہ رہ گئے، بلکہ وہ تحریری شکل میں ہونے کی وجہ سے قانونِ مدوّن بنتے چلے گئے۔ یہ کام بہت تدریج سے ہوا۔ پبلک یا پارلیمنٹ یا عدالتوں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ پہلے ہمیں تمام قوانین مدوّن کر کے دو، پھر ہم انھیں نافذ کریں گے۔ بخلاف اس کے ہوا یہ کہ بڑے بڑے ماہر ججوں کے سامنے جب کسی بھی نزاع کے متعلق فریقین کے علمائے قانون بحثیں کر کے ایک ایک رائے اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک نکتے کا علمی تجزیہ کرتے تو ان کی کاوشوں سے قانون کی تراش خراش ہو کر نوک پلک بن جاتی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ انگریزوں کے پاس پرانی حکومتوں کے وضع کردہ چند پرانے منضبط قوانین (STATUTES) بھی موجود تھے جو متناقض و منتشر حالت میں تھے۔ ان کا ایک حصہ ۱۸ ویں صدی میں جمع کیا گیا اور بعد میں اس کارروائی کی تکمیل ۱۸۶۱ء میں جا کر ہوئی۔ علاوہ ازیں فوجداری امور اور تجارت سے متعلق کچھ ضابطے بھی موجود تھے۔

متذکرہ سیاسی مواد، کئی سال سے برطانوی پارلیمنٹ میں پاس ہونے والے قانونی نکات اور عدالتوں کے نظائر سے مل ملا کر آج برطانیہ کے پاس مضبوط نظامِ قانون موجود ہے، مگر اب بھی قانونِ اساسی (دستور) اور قانونِ ہرجانہ (LAW OF TORTS) کسی بل کی شکل میں مدوّن ہو کر پاس شدہ نہیں ہیں۔

۲۔ ہمارے ملک کے افغان قبائل، نیز دنیا بھر میں پھیلے ہوئے قبائل اپنے ہاں جرائم کی روک تھام اور انصاف کے قیام کے لیے غیر ملفوظ اور غیر مدوّن قانون رکھتے ہیں، اس کے باوجود ان کی پنچایتوں یا جرگوں کی عدالتی کارروائی نہایت باقاعدگی سے اور کڑے انداز سے ہوتی ہے اور قبائلی معاشرے جرائم کی روک تھام میں متمدن معاشروں سے بھی زیادہ کامیاب ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ ہمارے ملک کے وزیر قانون اقبال احمد خان سعودی عرب کا دورہ قانون و انصاف ہی کے سلسلے میں کر چکے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ سعودی عرب میں کتاب و سنّت سے الگ کوئی مدوّن قانون نہیں ہے، مگر نظامِ عدل بھی خوبی سے چل رہا ہے اور جرائم کا تناسب بھی دوسروں سے کم تر ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ سعودی عدالتی نظام اس لیے خوبی سے چل رہا ہے کہ ان کے جج تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے بہت پختہ ہیں۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اصل مشکل قانون کا غیر مدوّن ہونا نہیں ہے، بلکہ ججوں اور مقننوں کی تعلیم و تربیت کا مضبوط ہونا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ آج ہمارے یہاں عدالتی افسروں (JUDITIAL OFFICERS) کی تربیت کا بہت اچھا انتظام موجود ہے، جس میں ڈگری کورسز اور ریفریشر کورسز (یا سہ ماہی وار اجتماعات برائے اسلامی عدالتی تربیت) منعقد کر کے شریعت کو نافذ کیا جا سکتا ہے۔ معیارِ کار اور رفتارِ کار اور دائرۂ کار کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔

قانونِ شریعت کی تدوین

اس سلسلے میں بھی چند گذارشات برائے تفکر حاضر ہیں۔

۱۔ شریعت اسلامیہ کا بنیادی اور اصولی قانون (بشکلِ نصوص قطعی) معین ہے اور بڑی حد تک معلوم عام۔ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام ہے اور کسی حرام کو اگر برتا جائے تو آیا وہ اخلاقی گناہ ہوگا یا قانونی جرم۔ اور قانونی جرم ہوگا تو چند بڑے جرائم کے لیے مقررہ حدود کیا ہیں؛ اور جہاں حدود نہیں ہیں وہاں تعزیر ہوگی جس کی کم سے کم درجہ اور زیادہ سے زیادہ مقدار کا تعین جج کرے گا یا اس سے بالاتر کوئی تدوینِ قانون کا ادارہ۔

۲۔ بہرحال برطانیہ کے مقابلے میں ہماری پوزیشن بالکل ابتدائی اور اساسی سطح پر دسیوں گنا زیادہ مضبوط ہے۔ پھر یہ کہ قرآن میں مذکور احکام اور قرائن پر ہمارے اسلاف کی مشہور کتابیں موجود ہیں جن میں عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضائے نص کے تمام زاویوں سے قرآن کی ایک ایک آیتِ حکم (قانون) اور اس کے ہر لفظ کو متعلقہ گرامر اور روایاتِ فصاحت و بلاغت اور کلاسیکل عربی ادب کے نظائر کی چھلنیوں سے چھان ڈالا گیا ہے۔ اسی طرح شروحِ احادیث میں احادیث سے اخذ ہونے والے احکامِ متعلق بہ عقائد و عبادات و اخلاق و جرائم و تعزیرات و دیگر امور تفصیل سے پوری چھان پھٹک کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ اور تو اور، سیرت و مغازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کتابوں تک میں جا بجا آنحضورؐ کی سنّت سے ماخوذ احکام و قوانین مذکور ہیں۔ اس کی مثالیں اُردو میں بھی ہیں۔

۳۔ علاوہ ازیں کبھی کبھی ترکیہ کے مجلۃ الاحکام کی جو ایک مثال پیش کی جاتی ہے، اس سے پہلے اور بعد میں بے شمار کوششیں تدوین و ترتیبِ قوانین کی جاتی رہی ہیں۔ فقہاء کی مرتب کردہ بڑی بڑی کتب کا بھاری ذخیرہ ہے۔ ایک دور میں علمائے ماوراء النہر کے فنون پر مبنی فتاوائے تاتارخانیہ ججوں یا قاضیوں اور وکیلوں یا مفتیوں کی رہنمائی کرتی تھی۔ پھر ابھی کل کی بات ہے کہ اس ملک میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ۵۰ مامور کردہ علماء کے ذریعے فتاوائے عالمگیریہ مرتب ہوئی اور سرکاری طور پر اسے شرفِ نفاذ ملا۔ اس سلسلے میں میں چند اور کاموں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں تاکہ معلوم رہے کہ ہم علمِ قانون کے لحاظ سے قلاش لوگ نہیں ہیں بلکہ اغنیاء اور منعموں میں سے ہیں جس قوم کے پاس شمس الائمہ سرخسی کی المبسوط جیسی بھاری کتاب ہو جو دقیقہ رسی سے لکھی گئی ہے اور شامی یا درمختار جیسی تالیف مہیا ہو اور جس کے اسلاف نے ہر موضوع اور مسئلہ اختلاف کو سامنے رکھ کر مستقل تصانیف مرتب کر دی ہوں، اس کے اخلاف کو گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری نہ ہونا چاہیے۔ خیر دورِ ماضیہ کو بھی ایک طرف رکھیے۔ ترکیہ میں مجلۃ الاحکام العدلیہ ۱۸۷۶ء میں تکمیل پذیر ہوا اور اس میں نہ صرف جدید ضروریات کو ملحوظ رکھا گیا ہے بلکہ مغربیت اس کے اندر خاصی نفوذ کیے ہوئے ہے۔ ستم ہے اگر اس کو علماء کی قدامت پسندی کا نمونہ قرار دیا جائے۔ گورایہ صاحب جیسے عالم آدمی سے اختلاف کرتے ہوئے بڑی ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ مجلہ میں نہ صرف مغربی اثرات ہیں، بلکہ اس میں چند پہلوؤں کی کمی ہے، پھر بھی اس کا سقوط کسی پبلک مطالبے کی صورت میں نہیں ہوا، بلکہ ۱۹۲۳ء میں (یعنی کتاب کی تیاری کے صرف ۴۷ برس بعد) اتحاد و ترقی کا کمالی انقلاب برپا ہوا اور اس نے سابق قوانین اور نظامِ عدل کو معطل کر دیا۔ اس حقیقت کو سامنے رکھے بغیر بات کریں تو کہیے کہ ترکیہ کے اجتماعی اجتہاد سے عربی اذان موقوف کر دی گئی اور عربی زبان کی تعلیم کا خاتمہ کر دیا گیا یا ہیٹ اور سوٹ پہننا لازم اور عورتوں کے لیے امتناعِ پردہ کا فرمان جاری کر کے گویا شریعت میں اجتہاد کر دیا گیا۔

ترکی کے تسلط سے مصر کے نکلنے کے بعد جامعہ ازہر کے ایک شیخ نے مجموعہ قانونِ شریعت مرتب کیا۔ پھر ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی ایک اسکیم کے مطابق مصر میں فقہی انسائیکلوپیڈیا کی تدوین ہوئی۔ اُردن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں "القانون المدنی" کے نام سے شریعت کے سول لا کو ۱۹ سال میں مدوّن کیا گیا۔ یمن میں آج بھی ترکیہ والے مجلۃ الاحکام کے طرز کا ایک مجموعہ قوانین چل رہا ہے۔ پھر کویت کی وزارتِ اوقاف نے ایک فقہی انسائیکلوپیڈیا شائع کرنا شروع کیا جس کی چار جلدیں آ چکی ہیں۔ یہ بالکل زمانۂ حال کا کام ہے اور ایسی متفرق خدمات اور بھی ہیں۔ مثلاً عبدالقادر عودہ شہید کی (جو خود مصر کے جج تھے) مرتب کردہ کتاب "اسلام کا قانونِ فوجداری" ترجمہ ہو کر اردو میں بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز عامر کی کتاب "التعزیر فی الاسلام" ہے۔ مصطفیٰ زرقا نے کمپنی لا اور لیبر لا اور اس طرح کے خاص قوانین کو جمع کر کے "المدخل الفقہی العام" لکھی جو خراج تحسین طلب کرتی ہے۔ اُردو میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اسلام کے دستوری قانون، قانونِ حراست، قانونِ جنگ، ضابطہ حقوقِ انسانی، اقلیتوں کے حقوق، حقوق الزوجین، اسلامی قانونِ کفالتِ عامہ اور متعدد دیوانی اور فوجداری قوانین پر مواد مہیا کیا ہے۔ علاوہ ازیں مرکز البحث العلمی والتراث الاسلامی، مکۃ المکرمہ سے موسوعہ فقہ ابی بکر صدیقؓ، موسوعہ فقہ عمرؓ، موسوعہ فقہ عثمانؓ، موسوعہ فقہ علیؓ اور موسوعہ فقہ عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک سلسلہ شائع ہو چکا ہے۔

اُوپر کی گذارشات کی روشنی میں فرمایئے کہ کیا آج ہم لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ ویسا ایک مجموعہ آج کی ضروریات کو مدّنظر رکھ کر مرتب کر لیں۔ ہاں البتہ ایک مشکل ہے کہ متذکرہ مجموعوں کو اوّلاً جب عوام کے معتمد علیہ علمائے شریعت نے مرتب اور پاس کر دیا تو پھر نہ اخباری بحثیں تھیں، نہ اسٹیج اور منبر کی نکتہ آفرینیاں۔ آج کی مشکل یہ ہے کہ صرف شریعت کے معاملے میں جاننے والا اور نہ جاننے والا، ان پر عمل کرنے والا اور اس کے بالکل اُلٹ چلنے والا، اس کے نفاذ کا حریص اور اس کے نفاذ کا حریف، سب کے سب جمہوری مساوات کے طلسم میں اسیر ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بحث در بحث اور اختلاف در اختلاف درپیش ہے جس کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔

۴ — آج بھی تدوینِ قانون کا اتنا وقیع اور شاندار کام خاص مقدار میں ہو چکا ہے کہ اگر اس سے استفادہ کیا جائے، اسے نافذ کرنے کی کوئی راہ نکالی جائے تو ایک تو بہترین شکل میں کارِ مطلوب حاصل، دوسرے دولت اور وقت کی مزید اضاعت سے بچاؤ۔ اسلامی نظریاتی کونسل میں ہر طبقے کی نمائندگی تھی، اختلافی گروہوں کے متوسلین نے باہم فیصلوں پہ اتفاق کیا اور مدوّنہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوانین کے اوراق کا ایک انبار لگا دیا۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمن اور بعض دیگر اصحاب کے تسوید کردہ قوانین کے مجموعے بھی شائع ہوتے۔ مگر دوسری طرف سے "یہ نہ مانوں" کی رٹ جاری رہی۔ غالباً بیشتر دانشوروں نے ان چیزوں کو پڑھنا تو کجا، دیکھا بھی نہ ہوگا۔

جھگڑے کا ایک نیا دروازہ یہ کھلا ہے کہ قانونِ شریعت کی تدوین کرنا تو ان لوگوں کا حق ہے جو منتخب ہو کر آئے ہوں۔ سو اب ہم یہ بحث اٹھاتے ہیں کہ پارلیمانی اور عدالتی دونوں طریقوں میں قانونِ شریعت کے تعین کے لحاظ سے کیا فرق ہے۔

۵۔ یہ بات ریکارڈ پر رہنی چاہیے کہ برصغیر میں ابتداً اسلامی قانون کی تدوینِ نو پر جس شخص نے "سرواره، الہ آباد میں" (جماعتِ اسلامی کے کل ہند اجتماع کے موقع پر ۱۹۴۳ء میں) ماہرینِ قانون کی مجلس بلا کر بحث کی تھی وہ تھے سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ۔

تنفیذِ شریعت بواسطۂ پارلیمان یا بذریعۂ عدلیہ | چند قابلِ غور نکات عرض ہیں:

ا۔ تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ میں یہ خیال پہلے پہل علامہ اقبال نے پیش کیا کہ اس دور میں اجتہاد نمائندہ جمہوری مجلس کے ذریعے ہونا موزوں ہے۔ بات بڑی فلسفیانہ بھی تھی اور اس میں اپیل بھی تھی، بلکہ خود یہ خیال ایک اجتہادی خیال تھا جس سے پڑھے لکھے طبقوں نے بڑی دلچسپی لی۔ خصوصاً ترکیہ کے کمالی انقلاب نے جب خلافت کے ڈھانچے کو منہدم کر دیا اور انجمن اتحاد و ترقی کے زیرِ اہتمام ایک آمرانہ جمہوریت کا ایوان تشکیل پایا تو اس پس منظر میں پارلیمانی اجتہاد کے نظریے کا غبارہ کچھ زیادہ پھول گیا۔ اقبال کو خود بھی ترکیہ کے تجربے سے بڑی دلچسپی تھی اور ہمارے عوام بھی روایتی ادارۂ خلافت کے مٹ جانے کے غم کو غلط کرنے کے لیے یہ امید لگا بیٹھے کہ اب مصطفیٰ کمال کی سرکردگی میں ترکوں کا ایمانِ اسلام کو جدید ضروریات سے ہم آہنگ کر کے نافذ کرے گا۔ لیکن کیمیاگر کی کٹھالی پر جو صد ہزار اہلِ نظر اس نظارے کے لیے نظریں جمائے ہوئے تھے کہ معاشرے کا رانگہ اس میں سے زرِ خالص بن کر نکلے گا وہ یہ دیکھ کر بالکل حواس باختہ ہو گئے کہ رانگے سے بھی گئے۔ اقبال جیسا حکیم نے نواز پکار اٹھا کہ "لادینی و لاطینی کس پیچ میں الجھا تو" اور یہ کہ:

تو نگردد کعبہ را رختِ حیات — گر ز افرنگ آیدش لات و منات
ترک را آہنگِ نو در چنگ نیست — تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظہورِ اسلام کے اصل مقصد کو کسوٹی بنا کر جب اقبال نے عالمِ اسلام کے ممتاز حکمرانوں کو پرکھا تو نتیجہ یہ بتایا کہ ع

نہ "مصطفیٰ" نہ "رضا شاہ" میں نمود اس کی

یعنی پارلیمان کے ذریعے نفاذِ شریعت یا تدوینِ شریعت یا اجتہاد کا واحد تجربہ بُری طرح ناکام ہوگیا۔

۲۔ اب پاکستان کے دانشوروں کی طرف سے اسی نظریے کی پھر بڑی رَٹ ہے۔ حالانکہ شریعت کے احکام کی تدوین جس نیت جس کردار اور جس علم سے ہوسکتی ہے وہ پارلیمان کے چند سو افراد میں حسبِ ذیل وجوہ سے نہیں پائی جاتی:

ا۔ پارلیمان میں جو لوگ جاتے ہیں وہ اس معیار پر نہیں پرکھے جاتے کہ وہ مخلص ہیں، اسلامی اخلاق رکھتے ہیں اور علومِ شرعیہ پر حاوی ہیں۔ ہمارے نظامِ انتخاب میں اس کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔

ب۔ پارلیمان کے اراکین یا تو مختلف پارٹیوں کے نمائندہ ہوتے ہیں (چاہے انتخاب بظاہر غیر جماعتی ہوں)، یا خاص خاص طبقوں اور گروہوں اور علاقوں کے ترجمان۔ وہ ووٹ لینے کے لیے عوام سے طرح طرح کے وعدے کر کے آتے ہیں، ان کے لیے قسم قسم کے جائز اور ناجائز کام کرتے ہیں، اپنے منشور یا پروگرام کے لیے رسہ کشی کرتے ہیں، عمل اور ردِ عمل میں گرفتار رہتے ہیں۔ جذباتی بحثیں کرتے ہیں۔ ایک ایک فقرے سے اور شعر سے منزلیں طے کر دکھاتے ہیں۔ اپنے مخالفین کو ضابطے سے یا بے ضابطہ طریقوں سے بات کرنے سے روکتے ہیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے خیالات کو حامی اکثریت کے بل پر منواتا ہے۔ کشمکش، عناد کے ایسے ماحول میں قانونِ شریعت کی تحقیق و تدوین کیا ہوگی؟

ج۔ معاشرے کے وہ اہم ترین مسائل مثلاً زرعی ملکیت، دولت کی تقسیم اور اسراف و تبذیر بلکہ رشوت، وسفارش اور خود اہلِ اختیار عہدہ داروں اور افسروں کی وہ لوٹ مار جس کے نتیجے میں وزیر خزانہ کے بقول قوم کا چالیس ارب روپیہ ہر سال ضائع ہوجاتا ہے۔ کیا اسے روکنے کے لیے وہ لوگ قانون سازی ضابطہ بندی اور پالیسی گری کر سکتے ہیں جو یا تو خود قومی دولت کی بہتی گنگا میں مچھلیاں پکڑتے ہیں، یا ایسے لوگوں کے روپے اور ان کی حمایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ممبری پلتے ہیں جو اپنے جالوں میں خود انسانوں تک کا شکار کرتے ہیں۔ کچھ وہ شریعت پسند لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو صیادانِ مفاد کے کسی گروہ کے گٹھ جوڑ کے ذریعے کامیاب ہوتے ہوں۔ باقی اگر کوئی سچا خدا پرست ہوگا تو اسے اگر کبھی بات کرنے کا موقع مل بھی جائے تو وہ آہ و فغاں کے سوا کیا کرے گا۔ اور اگر دو چار منٹ کے لیے وہ بہترین انداز سے جوہرِ خطابت دکھا بھی لے گا تو آہنی قلعۂ مفاد کو تو کوئی خطرہ نہیں، البتہ اس کے قلعداروں کو ایک موقعِ تفریح مل جائے گا۔

۲ــ اُوپر ہی کے نکات کی وضاحت کے لیے گذارش ہے کہ جس منتخب جمہوری ایوان میں سود کا کاروبار کرنے والے لوگ موجود ہوں، اسمگلر ہوں، بلیک مارکیٹیے ہوں، ہارس ریس کے قمار باز ہوں، محکمۂ انکم ٹیکس اور کسٹم کے افسروں سے سانٹھ گانٹھ کر کے قومی خزانے سے چوری کرتے ہوں، مجرموں کے سرپرست ہوں، خود اپنی تاریخِ جرائم رکھتے ہوں، خیانت کار افسروں کے بھائی بیٹے ہوں، وڈیروں کے سالے اور داماد ہوں، وزارتوں اور ممبریوں کے زور سے مال بناتے ہوں، اور سفارشوں کے زور سے مختلف محکموں کے افسروں کو پبلک کے حق میں ترکِ انصاف پہ مجبور کر دیں، ٹھیکیداروں سے کمائی کریں، اپنے بچوں اور عزیزوں اور سیاسی حمایتیوں کو ناجائز فوائد پہنچائیں، علاقائی اور نسلی اور لسانی نعروں پہ ووٹ لے کے آئے ہوں، ووٹوں کے لیے پیسے بھی خرچ کیے ہوں، جعلی بھگتان بھی کیے ہوں، جھوٹے وعدے اور جوڑ توڑ کیے ہوں، عوام فریب نعرے بلند کیے ہوں۔ دوسروں کے خلاف غلط الزام لگاتے ہوں اور گھٹیا زبان استعمال کی ہو، بلکہ غنڈوں کے ذریعے فائرنگ تک کرا دی ہو، ایسے لوگوں کے متعلق کیا یہ اُمید لگائی جا سکتی ہے کہ اگر ان کو علم فراہم بھی ہو جائے تو ان میں اتنی خدا خوفی ہوگی کہ قانونِ شریعت کی جزئیات کو طے کرتے ہوئے وہ یہ خیال رکھیں کہ بات وہ طے ہو جو خدا کی رضا اور رسولؐ کی سنّت سے قریب ترین ہو ..؟ ایسے دو سو یا چار سو آدمیوں کے ایوان سے آپ ویسی ہی بیچتا بکتی حاصل کر سکتے ہیں جیسی شریعت بل کے بارے میں موجود رہی ہے۔

۳ــ پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ کوئی فلمسٹار اور کوئی ٹی وی آرٹسٹ ایوان میں آتا ہے، کوئی زمیندار یا وڈیرہ ہے، کوئی دکاندار ہے، کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی کمیونسٹ ہے، کوئی قادیانی ہے، کوئی انتہائی فرنگیت زدہ ہے، کوئی صوبائیت پرست ہے، کوئی سیاست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جلاؤ گھیراؤ کے طریقے برتنے والا ہے ——— چلیے ان میں چار ، چھ وکلا اور دو ایک علماء بھی ہیں۔ ذرا عقلی جائزہ لے کر فرمائیے کہ کیا کسی ایک شرعی قانون کی بھی مکمل دفعات اسلام کے اپنے مطالبوں کے مطابق پاس ہو سکتی ہیں ؟ ہوں تو ایک موضوع پر قانون سازی کے لیے کتنی مدت چاہیئے ؟

میرے خیال میں اس قسم کے "معجون مرکب" ایوان میں عام قوانین کا پاس ہونا تو قابلِ عمل ہے ، کیونکہ نمونے کے رائج الوقت قانون موجود ہیں ، ان کی تفصیلات اپنے جی سے گھڑی ہوتی ہیں اور جن نکات پر بھی اکثریت متفق ہو جائے وہ چل جائیں گے۔ لیکن شریعت کا قانون جس کا مطالعہ اور جس پر تحقیق و کاوش اور جس کی تسوید و تدوین اور جس کا نفاذ خدا کی عبادت میں داخل ہے ، اس میں ہر موضوع پر اُصول و حدود اور مقاصد و غایات متعین ہیں اور ان محکم خطوط کو قائم رکھ کر ان کی پابندی میں سوچنا علم اور تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ورنہ حلال و حرام کی تقسیم میں فرق آ جائے گا اور کئی واجب اُمور مندوبات میں چلے جائیں گے اور کئی ممنوعات واجب قرار پا جائیں گے۔

اس قسم کے ایوان میں پہلے آپ یہ اندازہ لگائیں کہ سرے سے مخالفینِ شریعت کتنے ہیں اور پھر جو حامیان ہیں ان میں بھی کتنے ہیں جو کسی معمولی اختلاف کی وجہ سے بھی مخالفت کریں گے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اصل میں حکمران یا پارٹی اپنی اکثریت کے بل پر قانون سازی یا ضابطہ گری کی کارروائی کو کامیابی سے چلاتی ہے۔ مگر شریعت کو مدّنظر رکھ کر یہ اندازہ کرنا ضروری ہے کہ کتنے لوگ حکمران اکثریت میں ایسے ہیں جو اسلامی قانونِ شریعت کے لیے کوئی بے چین سا جذبۂ ایمانی رکھتے ہیں ؟ اور دوسری جانب کتنے ایسے ہیں جو "سیکولر اسلام" یا "مسلمانی بلا عملی اسلام" کے آرام دہ تصور کو لیا کرتے ہیں ؟ پھر وہ تعداد کتنی ہے جو اسلامیت کے کم سے کم درجے میں دو ، چار ، دس اہم ترین مطالبات کی پابندی کرتی ہو ؟ اس کے بعد ریاضیاتی انداز سے تجزیہ کر کے کسی نتیجے تک پہنچیں کہ کیا شریعت کے لیے ایوان میں قانون سازی کا ہونا سہل ہے ، بلکہ سرے سے قابلِ تصور بھی ہے ؟

لے دے کے یہی ہو سکتا ہے کہ وزارتِ قانون ، وزارتِ مذہبی اُمور یا مخصوص شریعت کمیٹی کو کام تفویض کیا جائے۔ مگر ان ساری صورتوں میں شرائطِ مطلوبہ کا پورا ہونا اور متذکرہ بالا خطرات سے بچ نکلنا امر محال ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴ ـــ قانونِ شریعت کی تنفیذ کا دوسرا راستہ عدلیہ کا ہے۔ اس میں صورتِ ترجیح صرف یہ ہے کہ نسبتاً ایک مختصر مجلس جس کے اساسی شرکا و تین ہوتے ہیں ـــ ایک جج، دوسرا مدعی اور تیسرا مدعی علیہ۔ مدعی اور مدعیٰ علیہ بھی اپنی طرف سے ایک ایک مستند درجے کا ماہرِ قانون پیش کرتے ہیں۔ اس طرح دو ماہرینِ قانون جج کے سامنے کسی نزاع کے دو پہلوؤں پر قانونی مواد مع حوالوں اور ضروری کتابوں کے فراہم کر دیتے ہیں۔ تیسرا فریق جج خود بھی دونوں پہلوؤں کے متعلق تفصیلی مطالعہ کر کے کرسیٔ عدالت پر بیٹھتا ہے۔ بحث دو چار دن چلے یا پندرہ بیس دن، مسئلے کی پوری چھان پھٹک ہو جاتی ہے اور تحقیقات کا نچوڑ فیصلے میں آجاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس راستے سے نفاذِ شریعت کا عمل تیزی سے ہونے لگتا ہے۔ ذرا اپنی تاریخ سے شہادت طلب کیجیے۔ حضور نبیٔ اکرمؐ کے دَورِ سعادت سے لے کر دَورِ خلافتِ راشدہ تک قانونِ شریعت مدوّن نہ تھا، مگر نفاذِ شریعت افراد کے معاملوں میں بھی اور سرکاری افسروں اور ملازموں کے بارے میں بھی، جنگ و صلح کے اُمور کے بارے میں بھی بلا روک ٹوک عمل میں آیا۔

بعد کے اَدوار میں آہستہ آہستہ قانون کے مختلف دائروں کے متعلق امہات الکتب وجود میں آئیں، مگر اس معنی میں کسی پارلیمانی نظام کے ذریعے، نافذ شدہ قانون مدوّن نہیں ہوا، جس معنی میں آج بات کی جارہی ہے۔ قاضی (جج)، اور مفتی (قانون دان) اور فقیہہ تین گوشے نظامِ قانون کے تھے۔

خود برصغیر میں مغلوں کے دَور میں قانونِ شریعت چلتا رہا۔ ریکارڈ بتاتا ہے کہ جنگ بکسر ۱۷۶۴ء کے بعد مغل شہنشاہِ اعظم نے ایک فرمان کے ذریعے بنگال، بہار اور اڑیسہ کے معاملاتِ دیوانی کو طے کرنے کے حقوق ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کرتے ہوئے یہ شرط عاید کی تھی کہ کمپنی اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کیا کرے گی۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء تک اس پر عمل درآمد جاری رہا۔ بعد میں انگریزی قانون کا دَور دَورہ شروع ہوا۔ دلچسپ بات یہ کہ مغلیہ عہد میں نوابانِ اودھ بھی سنّی فقہ کے مطابق شریعت کے فیصلے نافذ کرتے تھے۔

۸ ـــ ایک طریقۂ تنفیذِ شریعت یہ ہے کہ علم و اخلاق کے لحاظ سے معتمد علیہ سرکردہ و نمائندہ علما کی کمیٹی یا کونسل اس امر کے لیے مقرر کی جائے کہ وہ سابق قوانین کی اصلاح یا ترمیم یا نئے قوانین کی تسوید و تدوین کرے، پھر یہ اپنا کام پارلیمنٹ کو بھجوائے۔ پارلیمنٹ لامنسٹری سے جدید قانونی زبان و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترتیب کے پہلو سے مشورہ لے۔ پھر کوئی چیز اگر اصل مواد کو متاثر کرتی ہو تو ایک مرتبہ کسی قانونی مسودے کو تحریری نوٹس کے ساتھ شریعت کمیٹی کو بھیجا جائے، پھر وہاں سے قانون کی جو دفعات جس شکل میں طے ہو جائیں ان کو پارلیمنٹ نافذ کر دے۔

یہ تجربہ ایران میں جاری ہے اور پاکستان میں بھی اس کو اہمیت ملی ہے۔ اور علماء کے بورڈ، کمیشن یا کونسل کے قیام کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ آخری دور میں جو اسلامی نظریاتی کونسل بنی ہے۔ اس نے بڑے اچھے معیار سے بڑی وقیع مقدار میں کام کیا ہے اور طے شدہ مسودوں پر مجموعی طور پر مختلف مکاتبِ فکر کے اہلِ علم کا اتفاقِ رائے حاصل کیا ہے۔

مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے جمہوریت کی توہین ہوتی ہے۔ توجہ حصولِ مراد پر نہیں، بلکہ بحث ایک شکل کا رد اور دوسری شکل کا رد میں ہے۔ یہ تو کوئی صحت مندانہ تعمیری طرزِ فکر نہیں۔

اگر اس صورت کو قبول کیا جائے تو پھر مولانا تقی امینی صاحب کی اس رائے سے مجھے اتفاق ہے کہ کچھ تدوین یافتہ قوانین کو لے کر عدالتوں کے ذریعے شریعت کا نفاذ کر دینا چاہیے۔ اس طریقِ نفاذ میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہوگی۔

زیادہ سے زیادہ یہ کرنا پڑے گا کہ بعض پیچیدہ مسائل، مثلاً مسائلِ اراضی، غیر معمولی ارتکازِ دولت کی بعض شکلیں یا دولت کے استعمال، یا انتخاب میں ایک مضبوط اخلاقی معیار کے بغیر اُمیدوار بننے پر پابندی، یا متناسب نمائندگی کے سسٹم کا نفاذ یا ملک کے بنیادی یونٹ کمشنریوں کو قرار دینا یا بنکاری کو سودی نظام سے کُلی طور پر پاک کرنا، ایسے اُمور ہیں جن کے لیے نئے فیصلوں کو قدرے مؤخر بھی رکھا جا سکتا ہے۔

اس صورت میں اُوپر سے تدوین یافتہ قانون بھی آتے رہیں گے اور عدلیہ بعض معاملات میں قرآن و حدیث اور سابق لٹریچر کو سامنے رکھ کر محتاط اجتہادی نقطۂ نظر سے فیصلے کرتی جائے گی۔ دونوں طرف کا کام آہستہ آہستہ ایک ہو جائے گا۔

عام عدالتوں سے متعلق ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ جس کا جو جی چاہے گا، فیصلہ دے گا اور متضاد فیصلوں کی وجہ سے انتشار پھیل جائے گا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ مجسٹریٹوں اور ججوں کو اپنی کارروائی مقررہ قانونی اسلوب سے کرنی ہوتی ہے اور فیصلے نعروں سلوگنوں کے بجائے دلائل اور حوالوں کے ساتھ لکھنے ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی خام رایوں اور ناقص فیصلوں پر نہ صرف اُوپر سے وقتی گرفت ہو سکتی ہے یا کسی اپیل کے فیصلے میں ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خلاف ریمارک لکھے جاسکتے ہیں، بلکہ ان کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے، اور بہ آخری امکان تنزلی اور برطرفی کا بھی ہے۔ وہ غلطی کریں بھی تو کسی فریق کے اپیل کرنے پر ہر معاملہ درست ہوسکتا ہے اور پھر عدالتِ برتر سے نیچے کی کوئی عدالت اپنی من مانی نہیں کرسکتی۔

شریعت یا لادینیت

اصل مسئلہ یہ ہے کہ آج ہم ایک نظامِ باطل یا غیر اسلامی قانون کے تحت پچھلے لمبے زمانے سے وقت گزار رہے ہیں۔ اس مخالفِ شریعت نظام پر سب راضی مطمئن ہیں۔ بس سارا قضیہ تو شریعت کے نفاذ کے اندیشے سے پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں کا نظریۂ شریعت ہمیں قبول نہیں اور فلاں کا نقطۂ نظر ہمارے ایمان و تقویٰ کے خلاف ہے۔ ان کے ایمان و تقویٰ کو مروّج سیکولر قانون کیوں ہضم ہو جاتا ہے۔ کچھ وہ ہیں جو اختلافات کو دلیل بناتے ہیں شریعت سے گریز کی۔ حالانکہ جمہوری سسٹم ہو یا فلسفیانہ مباحث یا ادبی تصورات یا معاشی اور نفسیاتی مسائل، اختلاف تو ہر دائرے میں ہیں۔ موجودہ پارلیمنٹ میں وفاق اور صوبوں میں، گروہوں اور افراد اور ایڈیٹروں میں اتنے اختلافات ہیں کہ اگر ان کو اخبارات کے صفحات سے خارج کر دیا جائے تو شاید اشتہار ہی باقی رہ جائیں۔

دوسری ہر چیز اختلافات کے ساتھ قبول ہو جاتی ہے، مگر شریعت نہیں۔ حالانکہ شریعت اگر نافذ ہو تو اس الٰہی قانون کے لیے جو عقیدت مندی پائی جاتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اہلِ اختلاف و افتراق کو بھی قریب کر دیتی ہے۔ جیسے کہ اوپر مثال بیان کی گئی کہ شیعہ خانوادوں نے سنی نقطۂ نظر سے مرتبہ فقہ کو نافذ کیا۔

تیسرا ترسنگا اجتہاد کا ہے جسے بار بار پھونکا جاتا ہے کہ پہلے اجتہاد کے دروازے کھولو بلکہ اجتہاد کرو، کرو ہی نہیں کرنے دو...... اور پھر شریعت کا اجرا کرنا۔ یعنی پہلے کشتیاں تیروائی جائیں اور بعد میں دریا بہایا جائے۔

اللہ کے بندو! پہلے اجتہاد کے عمل کی اس حقیقت کو تو سمجھو کہ کسی نظامِ قانون کا جب اجرا ہوتا ہے تو وہ نت نئے نئی کونپلیں نکالتا ہے۔ مثلاً آج کا قانون، یا پیچھے ہٹ کر دیکھیں تو بنیادی طور پر اینگلوسیکسن سسٹم آف لا، یا یورپ کے وہ تمام قوانین جو رومن لا پر مبنی ہیں یا روس اور دوسرے تمام ملکوں کے جدید یا قدیم قوانین...... وہ جہاں جہاں بھی چل رہے ہیں، ضروریات مجبور کرتی ہیں کہ اُن کے اندر بذریعہ پارلیمان بھی اور بذریعہ عدلیہ بھی ہر صبح و شام اجتہاد ہو۔ آپ تو شریعت کے دریا کو روکے کھڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، اس کے آگے بند بندھا ہے اور محبانِ شریعت سے مطالبہ یہ ہے کہ پہلے موج و گرداب پیدا کرو، پھر ہم بند کھولیں گے۔

اجتہاد کے بارے میں تصور کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ چونکہ سارے مسلمان مساوی ہیں لہٰذا ہر ایک کو اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے۔ اجتہاد کرنا نہ ہوا، گھاس کھودنا یا کنکوا اُڑانا ہوگیا۔ اگر ایک دُھنیا ہوائی اڈے پر جاکر تقاضا کرے کہ میں پائلٹ کی کرسی پر بیٹھ کر بوئنگ طیارہ اُڑاؤں گا۔ یا آرا مشین کا مستری نہا دھو کر عدالت میں پہنچے اور رجسٹرار سے کہے کہ شام کے دو چار گھنٹے میں عدالت کی مسند کو رونق بخشوں گا۔ یا ایک ڈنٹسٹ لوگوں کے دانت نکالنے اور دانتوں کو ٹانکا لگانے یا اُن کی صفائی کرنے کے بعد یہ تفریح چاہے کہ کچھ وقت میں اٹامک آلات کی تیاری میں صرف کرنا چاہتا ہوں — اور ان میں سے کسی کو کہا جائے کہ یہ کام آپ کے کرنے کا نہیں ہے تو وہ کہے کہ کیا میں سب کے برابر نہیں ہوں؟ میرے حقوق سب کے ساتھ ایک جیسے نہیں ہیں؟

تمدن کے اداروں اور مشغلوں کا اُصول یہ ہے کہ ہر کام کے لیے ایک صلاحیت درکار ہے۔ یہ بات دوسرے ہر معاملے میں تسلیم شدہ ہے، مگر شریعت کی پیچیدہ و نازک مشینری کو چھیڑنے اور اس میں اضافے کرنے کے لیے ہر مدرس، ہر شاعر اور ہر دانش ور اپنے آپ کو پورا پورا اہل سمجھتا ہے، بلکہ ان لوگوں کو اس بات پر برہمی ہے کہ مولویوں، ملّاؤں کے طبقے نے قانونِ شریعت اور اجتہاد وغیرہ پر اپنا اجارہ جما کر ہمیں ہمارے حق سے محروم کر رکھا ہے، یہ ہمیں اجتہاد نہیں کرنے دیتے، ورنہ ہم اسلام کے آفاقی اُصولوں کی مدد سے مشرق و مغرب اور کفر و دین کا فرق مٹا کر پل بھر میں تمام مسئلے حل کر دیں۔ حالانکہ ان مدعیانِ اجتہاد جو دو تین سرخیل آگے آگے چل رہے ہیں، وہ اصلاً سیکولرازم، یا "سیکولر اسلام" چاہتے ہیں اور اپنی موجودہ عادات اور مفاد کو جوں کا توں برقرار رکھنے کی گنجائش نکالنا چاہتے ہیں۔ ایسے مقاصد کے لیے اتنے بڑے اجتہاد کی ضرورت ہے جتنا بڑا کوئی عالم قدیم صف میں موجود نہیں ہے۔ جدید مجتہدین کا اندازِ گفتگو ایسا ہے کہ گویا۔

”اگر ہم باغباں ہوتے تو گلشن کو لُٹا دیتے۔“

اجتہاد کا کام لمبی لمبی چھلانگیں لگانے کا نہیں ہے۔ یہ تو اس انداز سے واقع ہوتا ہے جیسے بیج سے تنا، تنے سے شاخیں، شاخوں سے پتے اور کونپلیں نمودار ہوتی ہیں اور رہتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدقسمتی سے ہمارے جدید اجتہادیوں کو زیادہ جوش دلانے والا گروہ خود مدعیانِ شریعت کا ہے جو اپنی اپنی فقہ کے قدیم سے قدیم جزئی فیصلے کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں۔

اصلاح کی صورت صرف اسلامی نظریاتی کونسل کے طرز کا کام ہے، جس میں علمائے مختلف الخیال بیٹھیں اور ماہرینِ حالاتِ حاضرہ بھی۔ یہ لوگ جدید ضروریات اور پیچیدگیوں اور تقاضوں کو واضح کریں اور اول الذکر گروہ اسلامی قانون کے اصولوں اور ان کے متعلق تفاصیل بتلائے۔ پھر باہمی تبادلۂ خیال کے بعد قانون کی تدوینِ جدید اور کسی قدر اجتہادی کارروائی ہوسکتی ہے۔

ایک سوال یہ بھی سنتے ہیں کہ چونکہ معاشرہ شریعت کے معیار کا نہیں، لہٰذا اس میں نفاذِ شریعت کی کوشش کرنا بے کار ہے۔ یوں بات کی جائے تو معاشرہ تو ٹریفک کے قوانین و قیود میں چلنے کے قابل ہی نہیں، لہٰذا کیا یہ مناسب ہوگا کہ ٹریفک کا قانون ختم کر دیا جائے، سڑکوں کی سرخ بتیاں اکھیڑ دی جائیں اور ٹریفک کنسٹیبل ہٹا دیئے جائیں۔ معاشرہ تو صفائی کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، پھر کیا صفائی کے انتظامات ختم کر دیئے جائیں؟ معاشرہ میں تشدد اور جرائم میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، لہٰذا اس سے یہ دلیل نکالی جاسکتی ہے کہ جرم و جارحیت کی روک تھام کے ادارے اور قوانین ختم کر دیئے جائیں؟ ٹھیک ہے کہ ضروری نہیں شریعت کی صد فی صد برکات ہمارا معاشرہ پہلے قدم پر حاصل کرلے، ممکن ہے کہ دس فی صد تک حاصل کرے، پھر کچھ عرصے میں بیس فیصد، پھر آگے، پھر اور آگے۔ اگر ہمیں معاشرہ کو ہمیشہ کے لیے اسی طرح بیمار نہیں رکھنا ہے تو علاج کرنا ہی ہوگا، خواہ زیادہ دیر لگے۔ اور علاج یقیناً تنہا قانونی نظام سے نہیں ہوتا بلکہ افراد کی تعلیم اور قوم کی اجتماعی اخلاقی تربیت کی مہم بھی ساتھ ساتھ ہونی چاہیے۔

خطرہ یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ کوئی خاص گروہ، کسی خاص نقطہ نظر کو قوم پر مسلط نہ کر دے۔ یہ خطرہ تو ہر دائرے میں ہر وقت پایا جاتا ہے۔ کوئی فرم ہو یا تعلیم گاہ ہو یا پریس یا نشریاتی ادارہ ہو، سب میں کسی غالب عنصر کا نقطہ نظر اثر انداز ہوسکتا ہے۔ حکومت میں آج بھی کسی ایک گروہ کا مخصوص تسلط ہوتا ہے، خود اس گروہ میں چند اساطین خاص طور سے با اثر ہوتے ہیں۔ دوسرے ہر طرح کے اثرات..... صوبائیت کے بھی، سیکولرزم کے بھی، مغربی معیشت اور معاشرت اور ثقافت کے بھی اور بالواسطہ طور پر بھارت اور اسرائیل کی لابی کے بھی، ہم پر پڑتے رہتے ہیں، مگر ہم ان اثرات کو معمول کا حصہ سمجھتے ہیں صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت کے کسی نقطۂ نظر کا غلبہ ہو جائے تو اس سے کیا قیامت آجائے گی؟ اور کیا یہ امکان نہیں کہ ایک نقطۂ نظر اور دوسرے اور تیسرے نقطۂ نظر کا وقتاً فوقتاً اَدل بدل ہوتا رہے یا ان میں مناسب ترکیب پیدا ہو جائے۔

ایک سوال یہ بھی اُٹھایا جاتا ہے کہ شریعت کے جو فیصلے کسی خاص نقطۂ نظر کے مطابق ہوں اور ان کی وجہ سے ممکن ہے کہ معاشرے کے مختلف اداروں اور شعبوں کو اپنے کچھ معمولات اور مفاد چھوڑنے پڑیں۔

ایک مثال سامنے رکھ کر اس کا جواب خود ہی سوچیے کہ جب سوویٹ نظام یوگوسلاویہ میں داخل ہوا تو اُس نے ایک وقت میں فیصلہ دے دیا کہ مسلمانوں کی جو بھی عبادتی یا تعلیمی یا معاشرتی یا تہذیبی سرگرمیاں چل رہی تھیں، وہ ختم کی جاتی ہیں۔ پھر مسجدیں گرنے لگیں، مسلمانوں کے نام بدلے جانے لگے، کتنوں کا قتل ہو گیا، کتنوں کے گھر اُجڑ گئے۔

اس کے مقابلے میں اگرچہ شریعت سراپا رحمت ہے، مگر یہ شرط تو نہیں باندھی جا سکتی کہ جو کچھ جس کا جس طرح ہے، خبردار اس میں کوئی فرق نہ آئے۔ یوں ہو تو پھر شریعت کو کسی بھی تصور کے ساتھ چلانے سے کیا حاصل؟ ہر کسی کو بعض معمولات چھوڑنے پڑیں گے اور بعض مفاد سے دست برداری کرنی ہوگی اور بعض نئی چیزیں اختیار کرنی ہوں گی۔ خاص طور پر اگر مشہورِ عام تصویروں والی مثال سامنے رکھی جائے! اور کل اخباروں کو اس معاملے میں کوئی امتناعی حکم دے دیا جائے تو کیسے کام چلے گا۔ اس پر راقم کا خیال یہ ہے کہ کسی مسلمان شخص یا ادارے میں یہ جذبۂ ایمانی ہونا چاہیے کہ اگر شریعت نافذ ہو اور اس کا کوئی قانون اسے کسی کام سے روک دے، یا اس پر کوئی پابندی لگا دے یا سرے سے اس کو کاروبار ہی لپیٹ دینے پر مجبور کر دے تو اُسے خدا اور رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبت میں بصد شوق قربانی دینی چاہیے۔

مگر میرا خیال یہ ہے کہ تصویر کے بارے میں اب جو آرا پائی جاتی ہیں ان کی اکثریت اس پر تو متفق ہے کہ بعض تمدنی ضرورتوں کے لیے جس کا اشارہ خود شریعت سے ملتا ہے۔ تصاویر کا محدود جواز موجود ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مطلق جواز تک جا پہنچتے ہیں کچھ وہ بھی ہیں جو تمدنی استثنا کے محدود دروازوں کو وسیع کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ بہر حال اکثریت غالباً اس پر جمع ہو سکتی ہے کہ جس طرح طلبہ کی تعلیمی ضرورت کے لیے تصاویر کا استعمال جائز ہے یا جس طرح شہادتِ جرم کے لیے گنجائش ہے، اسی طرح اخبار کسی خبر کو واضح تر کرنے اور اَن پڑھ عوام کی نگاہوں میں قابلِ فہم بنانے کی غرض سے بھی، اور حالات و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعات کی بعض شہادتوں کو محفوظ کرنے کے لیے بھی تصاویر دے سکتا ہے۔

مگر یہ بھی کیا مذاق ہوا کہ استثنائی ضرورت سے اگر اخبار کو اشاعتِ تصاویر کی کچھ گنجائش ملے تو وہ اپنے خاص خاص صفحات کو دس دس بیس بیس ایسی خواتین کی رنگین تصاویر سے سجانے لگے، جو میک اپ کے ساتھ ہر نگاہِ ہوس کی ضیافت کا سامان بنی ہوئی ہوں۔ اور کبھی کبھی تو ایسی تصاویر کا بڑا سائز یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اخبار کا کام خبریں مہیا کرنا ہے یا عورت کو نوجوانوں کے ذہنوں پر سوار کرنے کی خدمت انجام دینا۔

قانونِ شریعت جب بھی نافذ ہوگا تو اعتدال کے نقطۂ نظر سے اس کی تدوین ہوگی اور یہ نقطۂ نظر مختلف الخیال حضرات کی بحثوں سے پیدا ہوگا جب کہ وہ ایک اعلیٰ مقصد کو حسنِ نیت کے ساتھ سامنے رکھیں۔

آخر میں ایک ہی بات کہنی ہے کہ اگر دل ہی ٹیڑھا ہو تو حجتوں کے ڈھیر (ترجمہ از پنجابی)، لیکن اگر ارادہ کر لیا جائے اور دوسروں کو بھی نفاذ شریعت کے لیے تیار کیا جائے اور اہلِ تحریر تحریروں کے ذریعے لیڈر اور علماء تقریروں کے ذریعے، کارکن گفتگوؤں کے ذریعے اور اخبار نویس اپنے کالموں کے ذریعے اگر نفاذِ شریعت کے جذبۂ عام کی لہر اٹھا دیں تو سارے متذکرہ مسائل حل ہو جائیں گے۔

لیکن اگر تت نئے اشغلے چھوڑ کر، اختلافات کی دراڑیں ڈال کر اور مزاحمتوں کی دیواریں کھڑی کر کے قوم کی ذی شعور توجوان قوت کو نظامِ باطلہ کے آگے جبراً سرنگوں رکھا گیا تو پھر اسلامی شریعت انقلابی راستے سے آئے گی ــــ چاہے کسی کے ہاتھوں آئے۔ اس طریقے سے دیر لگ سکتی ہے مگر شریعت کا اقدام بھرپور ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ جدید طبقہ افہام و تفہیم کا معتدل راہ اختیار کرے اور کبھی شریعت کی مخالفت اور کبھی علماء کی تضحیک کر کر کے فضا کو خراب نہ کرے۔ کوئی قوت نہ اسلامی نظام کے رجحان کو روک سکتی ہے اور نہ شریعت کے نفاذ کا راستہ بند کر سکتی ہے۔ انشاء اللہ!

© rasailojaraid.com